اِنسانی اخلاقی اقدار اور فکرِ اقبال

دنیا کے مجبور و مقہور انسان کو تلاشِ مسیحائی کے لیے جتنی اذیتیں، پریشانیاں اور بدحالی برداشت کرنی پڑ رہی ہے، ان آہوں، سسکیوں اور ہوکوں میں انسان یہ کہنے پر مجبور ہے کہ فکرِ اقبال کا سرمست شاہین کہیں کھو گیا ہے۔ لفظِ انسان نسیان سے ہے اور نسیان کا معنٰی بھول جانا ہے۔ انسان اس دنیا میں اپنی اخلاقی شناخت کھوتا چلا جا رہا ہے۔ فکرِ بے راہروی سے لے کر معنوی اور عملی گندگی تک ہر صبح اور ہر شام اپنا منہ چھپائے نکلتی اور ڈھل جاتی ہے۔ نیرنگیءِ کائنات میں صورتیں کہیں کھو چکی ہیں اور ذات و کردار، تراشیدہ بت نظر آتے ہیں۔

اقبال کے فکرِ مردِ مومن، مردِ قلندر، مردِ درویش اور مردِ کردار کے برعکس معاشرتی بدحالی نے انسان کو ہوس کا وہ شکار کیا ہے کہ انسانیت شرما گئی ہے۔ ہوس، کبھی دل سے ہونٹوں تک، کبھی مردوں اور عورتوں کی تقسیم کے خاتمہ تک، کبھی نسلِ انسانی اخلاق باختہ قومِ لوط کی راہ پر اور آج حرص و ہوس کا مارا انسان، تمام اخلاقی قدروں کو پھلانگ کر، کسی بھیڑیے کے روپ میں معصوم کلیوں تک جا پہنچا ہے۔

اس اذیت ناک ماحول میں انسان کو راہِ کامل سے مزین فکرِ اقبال کے اخلاقی معیارات کو جانچنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی اشد ضرورت ہے۔ انسانیت کو درپیش چیلنجز میں سب سے بڑا چیلنج اخلاقی اقدار کا عملی طور پر نفاذ ہے۔ یہ نفاذ، بلا رنگ و نسل، مذہب و برادری کے عام ہونا ضروری ہے۔ انفرادسے کے کر اجتماع کے کردار تک ہر سطح پر پھیلے فکری زاویوں سے عملی اخلاقی رنگ جب تک بیدار نہیں ہوتا تب تک یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

انسانی معاشروں میں بے شمار اخلاقی فلسفے اور معیارات موجود ہیں۔ بدھ مت، یہودیت و عسائیت، ہندومت اور جین مت جیسے اخلاقی فلسفے قرطاس پر ہی دھرے رہ گئے ہیں۔ امتِ مسلمہ کہ جس نے عملی اخلاقیاتِ انسانی کی اس معاشرے میں داغ بیل ڈالی تھی، اب تلاشِ منزل دوسری بار، روانہ سفر ہے۔ مخزنِ اخلاق، قرآن مجید، سیرتِ طیبہ کریم ﷺ اور اخلاقیاتِ متقدمین و متاخرین دورِ حاضر میں مسلم امہ کی طرف تک رہے ہیں۔

اس مقالہِ تحقیق میں علامہ محمد اقبال کے فلسفہ اخلاق کو اصطلاحاتِ شعر و نثر اور تاریخِ اسلام کے مقارنہ کے ساتھ، جدید دور کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، عمیق مطالعہ کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔ اس لیے کہ مسلم امہ کے غیور مسلمان، حجازِ مقدس سے نکلنے والے عملی فلسفہ اخلاق کے ساتھ دوبارہ نکلیں اور نیل کے ساحل سے تابخاکِ کاشغر ایک محبت کی لڑی میں پروئے جائیں اور دنیا میں موجود نسلِ انسانی کو ایک بار پھر، غیر اخلاقی اور غیر انسانی روایات، افعال اور کرداروں سے نجات عطا کریں۔

ڈاکٹر محسن خان عباسی: اسسٹنٹ پروفیسر لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور، پاکستان ۔

1 قرآنی فلسفہ اخلاق اور فکر اقبال

قرآن مجید فرقان حمید اخلاق سے مزین ہے۔ یہ وہ کلام مبین ہے جس میں رب ذو الجلال نے دنیا میں بسنے والے افراد و اقوام کو نیتِ حسنہ جیسے فلسفہ اخلاق سے متعارف کرایا ہے۔ علامہ محمد اقبال کی فکر اخلاق بھی کلام الٰہی میں ڈوبی ہوئی ملتی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے اس فلسفہ کی بنیاد کو اللہ تبارک و تعالٰی کی لاریب کتاب پر رکھا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے بیشتر مقامات پر امتِ مسلمہ کو قرآنی اخلاقِ حسنہ استوار کرنے کا درس دیا ہے۔ انسانی زندگی میں حائل سب سے بڑی مشکل نفس کا سرکش ہو جانا ہے۔ اللہ تبارک و تعالٰی نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا: وَنَفْسٍ وَمَا سَوّٰهَا

[1]ترجمہ: اور نفس کی اور اس کی جس نے اس کو درست کیا۔

اس ضمن میں علامہ فرماتے ہیں:

اُٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں
نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں[2]

علامہ کے نزدیک انسانی زندگی میں روشنی تبھی ممکن ہے جب وہ اپنے نفس کو سکھانے میں یا قابو کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ نفسِ انسانی کی اصلاح سے انسان میں آدمیت پروان چڑھتی ہے اور حوانیت کے عناصر کمزور ہو کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے ہیں۔ آج یورپی دنیا اس بیماری کو قابو میں لانے کے لیے دست نگر ہے۔ کہیں وہ انسانی نفسیات سے، بدھ مت مراقبوں میں اور کہیں معاشرتی ابحاث میں اس کا حل تلاشتی کھائی دیتی ہے۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب مغرب کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے [3]

مغربی دنیا کی چکاچوند سے متاثر مشرقی عوام کو اس کا شعور علامہ محمد اقبال کے وسیلے سے ایک صدی بیشتر ہی دے گیا تھا۔ مگر حیرت ہے! دنیا میں نظروں کو خیرہ کرتی اس تہذیب نے حقیقی معنوں میں ایسی صناعت بکھیر دی ہے کہ مشرقی اقوام میں ہر چھوٹا، بڑا، مرد وزن، مبتلائے عشق تہذیبِ مغرب نظر آتے ہیں۔
علامہ محمد اقبال کی نظر جب ان دانش کدوں کی جانب مبذول ہوئی، جن میں علم وحکمت کے موتیوں کے بجائے، جہانِ رنگ وبو کی پیدائیش کے بجائے، جمود اور فرقہ واریت کے فسوں سنائی دے رہے تھے، تو علامہ کا سوزِ دل پکارتا ہے:

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ! [4]

اسلام نے جس انسان کو پیکر محبت واخلاص بتایا ہے، قرآن اس کو مؤمن کے لقب سے موسوم کرتا ہے۔ وہ مؤمن جس کا دل تو تواضع اور انکساری کا پیکر ہو، لیکن جسم ہمیشہ تحرک کے گھوڑے پر سوار رہے۔ مؤمن کا جسم، سُستی، کاہلی اور آرام طلبی کا خواہاں نہیں ہوتا۔ علامہ کے نزدیک انسان تحرک میں بھی کسی کی نیچا نہ دکھائے، انسانی عظمتوں کا کردار بلند ہو جائے۔ بانگِ درا میں فرماتے ہیں:

میری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو، زیر آسماں مجھ سے [5]

علامہ محمد اقبالؒ نے اس شعر میں ایک نئے انداز سے اپنے قلم کو مخاطب کیا ہے۔ اسلام نے تو انسانیت کے ساتھ حسنِ سلوک کی اصولی بات کی ہے۔ اسلام نے اور قرآن نے انسانیت کو زندگی کے اُصول سمجھائے ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے آگے بڑھ کر اجتہاد کیا ہے اور ہاتھ اور زبان کے ساتھ قلم کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ استعارۃ علامہ محمد اقبالؒ کی حسین فکر کا عکاس ہے کہ نسلِ انسانیت کی محبت اور اجلا پن اور دردِ دل، کسی حد کا پابند نہیں۔
افلاطون کے نزدیک انسان کی زندگی کا صحیح مقصد فطرتِ الٰہی کو اپنانا ہے۔ "انسان کی زندگی کا صحیح مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس عالمِ محسوسات سے گریز کرے اور اپنی فطرت کو الٰہی فطرت کے مطابق بنائے۔" [6]
اسی فلسفے کو بیان کرتے ہوئے علامہ محمد اقبالؒ سرگزشتِ آدم میں فرماتے ہیں کہ آدم، یعنی نسلِ انسانی، ہر کام کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے:

ہوئی جو چشمِ مظاہر پرست وا آخر
تو پایا خانہ دل میں اُسے مکیں میں نے [7]

قرآن مجید نے اخلاقی حوالے سے جو مسلم امہ کی راہنمائی فرمائی ہے اس کا خلاصہ درج زیل ہے۔

قرآنِ مجید نے فلسفہ اخلاق کا اطلاقی پہلو دیا ہے۔ یہ تصور اللہ کے رسول ﷺ کی بنیادی تعلیمات سے پھوٹا ہے اور دورِ حاضر میں علامہ اقبالؒ کی زبان بن گیا ہے۔ موجودہ دور میں یہ علامہ اقبالؒ کا مردِ مؤمن ہے۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب اپنی کتاب اقبالؒ اور مردِ مومن میں رقمطراز ہیں:

"قرآنِ مجید نے مختلف مقامات پر مختلف عنوانات کے تحت مردِ مومن کا جو تصور بیان کیا ہے اور اس کی جو صفات گنوائی ہیں ان کے بوقلموں حسن و جمال کے مظہر اور تجلیات کو یکجا کر لیا جائے اور ان کو مجتمع کر کے ایک پیرکِ کمال ترتیب دیا جائے تو قرطاسِ تخیل پر اقبالؒ کے مردِ مومن کا سراپا ابھرتا ہے۔"[8]

علامہ محمد اقبالؒ نے اس کے علاوہ بھی تصورات دیئے ہیں۔ کہیں وہ نفس کامل والے انسان کو مردِ مومن کہتا ہیں، کہیں مردِ حق کے لقب سے موسوم کرتا ہے۔ کہیں اقبال مردِ قلندر کا تصور ملتا ہے تو کہیں مردِ درویش کا ذکر ملتا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کے خطبات میں خوبصورت انداز میں سے بیان کیا گیا ہے کہ ہر انسان میں یہ تصورات اور عملیت مختلف کیوں ہے۔ علامہ مسئلہ ارتقاء پر بات کرتے ہوئے پہلے، جانداروں میں پودوں کا ذکر کرتے ہیں، پھر حیوانات کا اور پھر انسانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"...A human being receiving light form the inner depths of life, are all cases of inspiration varying in character according to the need of the recipient..." [9]

ترجمہ:۔۔۔پودوں اور جانوروں میں۔۔۔اور ایک انسانی زندگی میں جب، اندر کی گہرائی سے روشنی نصیب ہوتی ہے تو ہر معاملے میں کردار کی اثر اندازی کی حقیقت حاصل کرنے والے کی ضرورت کے مطابق ہوتی ہے۔

ہر شے کی اخلاقی کیفیت اس کے داخلی و خارجی وجود سے نکل کر ماحول میں اثر انداز ہوتی ہے۔ مغربی معاشروں میں اس کو امتیازات کے ساتھ پرکھا جاتا ہے۔ قرآنی فلسفہ اخلاق حسی، معنوی اور اطلاقی پہلوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ قرآنِ مجید حقیقت میں، خَلق سے خُلق تک اور خُلق سے کامل اخلاقِ حسنہ کی پیروی کا بیان ہے۔ قرآنی فلسفہ اخلاق محبت کے ان حسین تذکروں سے پر ہے جن کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں:

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طُور ہوتا ہے[10]

علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک دورِ حاضر میں قومیں ایک بیمار جسم کی مانند ہیں، انہیں محبت ہی شفا دے سکتی ہے۔ ایک اور مقام پر علامہ کچھ اس انداز سے گویا ہوتے ہیں:

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کِیا ہے اپنے بختِ خُفتہ کو بیدار قوموں نے[11]

2 انسانی اخلاقی اقدار، سیرتِ رسول ﷺ اور فکرِ اقبال

امتِ مسلمہ کے لیے اعلٰی انسانی اخلاقی اقدار، حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کریمانہ ہیں۔ دنیا میں موجود انسانی اخلاقی اقدار کو بھی انہی معیارات کو پرکھا جانا چاہیے۔ ذیل میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ اور فکرِ اقبال کا ایک موازنہ پیش کیا جاتا ہے۔

خَلاقِ ازل نے جس خوبصورتی سے حضور نبی اکرم ﷺ کا پیکرِ دلبریں تخلیق فرمایا ہے، اس کی نظیر اور اس کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی تاریخ کے مطابق، نسلِ انسانی میں نہ کوئی ایسا آیا ہے اور نہ آ سکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالٰی نے حضور نبی مکرم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ[12]

آپ ﷺ اخلاقِ حسنہ کے اس بلند ترین مقام پر فائز ہیں جو عظمت کا مینار ہے۔ امتِ مسلمہ کی یہ روش بھی درست نہیں وہ یہ سوچے کہ دورِ حاضر میں آپ ﷺ جیسی عظیم الشان شخصیت کے اخلاقِ حسنہ کی پیروی ممکن نہیں۔ ایسا کہیں بھی کسی دور میں بھی نہیں رہا۔ اگر ایسی فکر موجود ہوتی تو سب سے پہلے اس کی پیروی

حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان فرماتے۔ تابعین فرماتے اتباع التابعین فرماتے۔ انسان کے بس میں آپ ﷺ کے اسوۃ حسنہ اور نمونہ کامل کی پیروی کرنا، اس کے کوشش اور جدوجہد کرنا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ مردِ مسلماں کی اصطلاح متعارف کراتے ہوئے دورِ حاضر کے کم ہمت مسلماں سے مخاطب ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
قہّاری و غفّاری و قدّوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان[13]

آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا مزاجِ اقدس، حسنِ تکلم، تبسم، گریہ، عبادات، خشیت، رفتار، اندازِ نشست و برخاست، استراحت اور معمولاتِ زندگی ہمیشہ پرنور رہے۔ آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کو قرآن قرار دیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کیسے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ ﷺ کا خُلق قرآن ہی ہے۔

آپ ﷺ کے عشاق میں سے بعض نے اس قدر پیروی فرمائی کہ تعظیم کا درجہ کمال بخشا۔ ایک معروف قول کے مطابق، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی خربوزہ کھانے سے اس لیے گریز کیا کہ انہیں اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خربوزہ کیسے کھایا تھا۔

علامہ محمد اقبالؒ کی زبان یوں گویا ہوئی:

کاملِ بسطام در تقلیدِ فرد
اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد[14]

حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کا ذکر جمیل کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اجود الناس صدراً، اصدق الناس لهجة، و ألينهم عريكةً۔[15]

حضور نبی اکرم ﷺ دل کے سب سے بڑھ کر سخی، زبان میں سب سے بڑھ کر سچے اور مزاج کے سب سے بڑھ کر نرم تھے۔

علامہ اقبالؒ کی زبانِ سوز نے اس کو کچھ اس انداز میں بیان کیا ہے:

عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہ ءِ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب[16]

آپ ﷺ کے مزاج مبارک جمال اور جلال دونوں خصوصیات یکساں پائی جاتی تھیں۔ سیرت الرسول ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی طبیعت مبارکہ میں اعلیٰ درجہ کا حسین اعتدال پایا جاتا تھا۔ جس میں آپ ﷺ کی طبیعتِ مبارکہ میں جلال سے زیادہ جمال پایا جاتا ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ نے اس کا یوں تشبیہانہ انداز سے بیان کیا ہے:

شوکتِ سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید، تیرا جمالِ بے نقاب[17]

دورِ حاضر میں آزادیِ افکار کو افکارِ حاضر نے جس تیزی سے نگلا ہے، تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آج نوجوان نسل بالخصوص جس مسئلے میں مبتلا ہے وہ بالخصوص اخلاقِ حسنہ سے دور ہے اور اس کی وجہ نوجوانوں کی درست سیرت و کردار اور افراد کا نا ملنا ہے۔ جب وہ معاشرے میں دین کی طرح طرح کی توجیہات اور افراد کو دیکھتے ہیں تو دین سے ہی دور چلے جاتے ہیں۔ عہدِ علامہ محمد اقبالؒ میں ہی اس کا آغاز ہو چکا تھا۔ صیّاد کے پھندہءِ آزادی میں پھنسا دیکھ کر آپؒ، مسلمان کے معنٰی آزادی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہے کس کی یہ جرآت کہ مسلمان کو ٹوکے

حریّتِ افکار کی نعمت ہے خداداد
چاہت تو کعبے کو آتش کدہ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد
قرآن کو بازیچہء تاویل بناکر
چاہتے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد
ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد![18]

علامہ محمد اقبالؒ اس مسئلے کا حل احکامِ الٰہی میں ہی تلاش کیا۔ آپؒ فرماتے ہیں:

پابندیِ تقدیر کہ پابندیِ حکام
یہ مسلہ مشکل نہیں ہے مردِ خردمند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلِّد ابھی ناخوش، ابھی خُورسند
تقدیر کے پابند نباتات وجمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند[19]

3 انسانی اخلاقی اقدار، مولانا جلال الدین رومی اور فکر اقبالؒ

اخلاقِ کاملہ کی تلاش میں اقبالؒ مولانا جلال الدین رومیؒ کے مرید بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے تاریخ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے حضرت اویس قرنیؒ کو بعدِ مکانی اور بایزید بسطامیؒ اور حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کو بعدِ زمانی کے باوجود فیض لیتے دیکھا، ویسے ہی مولانا جلال الدین رومیؒ سے فیض علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے حاصل کیا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں: "اگر کسی کے دل میں حضور ﷺ کی چاہت ومحبت نہیں تو اس کی زندگی بھی بے معانی ہوگی وہ بدنصیب عالمِ برزخ اور آخرت میں بھی، رحمتِ الٰہی سے محروم رہے گا۔"[20]

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کے ساتھ علامہ محمد اقبال کی قلبی وحبی تعلق کی بنیاد عشقِ رسول ﷺ ہی تھی۔ اسی عشق، تعلیمات، کردار اور فکر کا عکس حضرتِ علامہ اقبالؒ کی شخصیت وفن میں نظر آتا ہے۔

علامہ اقبالؒ بحضورِ شمسؒ ورومیؒ کچھ اس طرح سے عرض گزار ہوتے ہیں:

مطرب غزلے، بیتے از مُرشدِ رُوم آور
تا غوطہ زنم کانم در آتشِ تبریزے[21]
(مطربا! کوئی غزل یا شعر پیرِ رُوم کا
تامیری جاں غوطہ زن ہو آتشِ تبریز میں)

حضرت مولانا رومیؒ اور علامہ اقبالؒ:

علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک خودی کا سر ادراک اور حقیقت کا جاننا ہے۔ یہ صرف کشف اور وجدان ہی سے ممکن ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کی زیرک نگاہ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ خُلق کے کامل نمونہ کی پیروی، مولانا جلال الدین رومیؒ کے بس میں ہی ہے۔

یہی وجہ ہے، "علامہ محمد اقبالؒ، مولانا جلال الدین رُومیؒ کو اپنا روحانی پیر مانتے تھے۔ کشف اور وجدان کے ذریعے ادراک حقیقت کے بعد صوفی صحیح معنوں میں عاشق ہو جاتا ہے کہ بہ رغبت تمام محبوبِ حقیقی کے تمام احکام کی پیروی کرتا ہے۔"[22]

علامہ اقبالؒ کی نظر جب مولانا رومؒ کی شخصیت و اخلاق پر پڑی، علامہ اقبالؒ بول اُٹھے، اگر موجودہ دور کے نوجوانوں کو اپنا کردار درست کرنا ہے۔ وہ بنیادی اخلاقی کردار، جوہر جو ماضی کے دھندلکوں میں کہیں کھو گیا ہے، صرف علامہ محمد اقبالؒ کی نظر میں نغمہ رومیؒ سے میسر آسکتا ہے۔

علامہ اقبالؒ اس فکر کی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

غلط نگر ہے تری چشمِ نیم باز اب تک!
ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک!
ترا نیاز نہیں آشنائے ناز اب تک!
کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک!
گُسستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک!
کہ تو ہے نغمہ رُومی سے بے نیاز اب تک![23]

اس جھوٹی دنیا میں، جہاں دجل، فریب، ملمع کاری اور نفس پرستی کا بازار ہے، مولانا جلال ادلدین رومیؒ کی نظر میں سب سے باکردار اور بااخلاق انسان، ایک عاشقِ حقیقی ہی ہو سکتا ہے۔ یہ کام صرف اس ضمن میں نگاہِ کامل ہی سرانجام دے سکتی ہے۔ فلسفہ کی موشگافیاں، عقل کی عیاریاں اور نفس کی عیاشیاں کبھی انسان کے کردار و فن درست نہیں رہنے دیتیں۔ ان سب کا علاج علامہ محمد اقبالؒ کی نظر میں عشق کا وہ تریاق ہے جو ہر بیماری کا علاج اور ہر پریشانی کا مداوا ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ عاشق حیقیقی اور مرد درویش کی حقیقت کی طرف اشارۃ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ، وہی آش
حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مردِ قلندر نے کیا رازِ خودی فاش![24]

"مولانا رُومیؒ نے جوہرِ عشق کی تعریف اور اس کی ماہیت کی طرف معنٰی خیز اشارے کیے ہیں، صوفی کی ذہنی تکمیل کا مقام کیا ہے اس کے متعلق دو شعر نہایت دِل نشیں ہیں۔"[25]

آدمی دید است باقی پوست است
دید آن باشد کہ دید دوست است
جملہ تن رادر گداز اندر بصر
در نظر رو در نظر رو در نظر[26]

علامہ اقبالؒ کچھ اس طرح ترجمانی فرماتے ہیں:

خرد کے پاس خیر کے سوا کچھ اور نہیں

تیر اعلاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں[27]

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی نظر میں نیک لوگوں کی سنگت وصحبت انسان کو اجلا بنا دیتی ہے۔ اسے پاک صاف کرتی ہے اور اسے نکھرا پن عطا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں: "نیک لوگوں کی قربت سے ہمیشہ فائدہ ہوتا ہے۔[28]

اگر مولانا جلال ادلدین رومی کو نسبتِ رسول ﷺ اور نسبتِ شمس تبریز نہ ملتی تو وہ کبھی مولائے روم نہ بنتے۔ دنیا میں ہزار عالم پیدا ہوئے اور مالکِ حقیقی سے جا ملے مگر آج تک مولائے روم کے لقب سے یاد مولانا جلال الدین رومیؒ ہی کیے جاتے ہیں۔

مولوی ہر گز نشد "مولائے روم"

تا غلام شمس تبریزؒ نشد[29]

انسانی بنیادی اخلاق کا ایک پیکج، مولانا جلال الدین رومیؒ کے اقوال میں مضمر ہے۔ آدمیت کا وہ فلسفہ جسے علامہ اقبالؒ نے لیا ہے اس کے مطابق آدمی کے لیے آدمیت، توصیفِ خداوندی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انسانیت کا کمال خوفِ خدا میں ہے۔ انسانی وقار، کم بولنے میں ہے۔ انسانی پاکیزگی، گناہوں سے دوری میں ہے۔ انسانی حیاء، شہوتوں کے ترک میں ہے۔ انسانی معراج، قیامِ شب میں ہے۔ انسانیت کا عروج، صبر میں ہے۔ رازِ اخلاق، مجلسِ درویش کے بغیر میسر نہیں آسکتے۔ نسلِ انسانی نیک اور کامل کی صحبت دوام تک لے جاتی ہے۔ انفاق، انسان کے راستے کے مصائب کو ختم کر دیتا ہے اور بہترین کلام انسانی شرف وعزت کا باعث ہے۔ یہ فلسفۂ اخلاق مولانا جلال الدین رومیؒ کے ان اقوال کی ترجمانی ہے جو ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔

1. تمام تعریف وتوصیف خدائے واحد کے لیے ہے اور اس کے پیغمبر ﷺ پر سلام ہو۔۔۔!!
2. میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کھلے اور چھپے خدا سے ڈرنے کی۔۔۔
3. کھانے، سونے، بولنے میں کمی کرو!
4. گناہوں سے دُور رہو!
5. شہوتوں کو ترک کرو!
6. قیامِ شب اور روزوں کا اہتمام کرو!
7. ہر طرح کے انسانوں کی جفاؤں کو برداشت کرو!
8. نادانوں اور عامیوں کی ہم نشینی چھوڑو!
9. نیکوں، بزرگوں کی صحبت اختیار کرو!
10. بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔۔۔
11. بہترین کلام وہ ہے جو مختصر اور دلیل والا ہو۔۔۔[30]

---

[1] القرآن، سورۃ الشمس، 7

[2] کلیاتِ اقبال، (بالِ جبریل)، اقبال اکادمی لاہور، ص327

[3] ایضاً، (بانگِ درا)، ص305

[4] ایضاً، (بالِ جبریل)، ص378

[5] ایضاً، (بانگِ درا)، 107

[6] مختصر تاریخ فلسفہ یونان، ڈاکٹر ولیم نیسل، ترجمہ: خلیفہ عبد الحکیم، دار الطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد، دکن، 1934ء، ص131

[7] کلیاتِ اقبال، (بانگِ درا)، ص109

[8] ڈاکٹر محمد طاہر القادری، اقبالؒ کا مردِ مومن، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ص13

[9] The Reconstruction of Religious Islamic Thought, Allama Muhammad Iqbal, Oxford University Press,P119

[10] کلیاتِ اقبال، (بانگِ درا)، ص102

[11] ایضاً، ص103

[12] القرآن، القلم 5

[13] کلیاتِ اقبال، (ضربِ کلیم)، ایضاً ، ص573

[14] مثنوی اسرارِ خودی، علامہ محمد اقبال، یونین سٹیم پریس، لاہور، ص42

[15] ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب المناقب، جلد5، ص599: رقم:3638

[16] کلیاتِ اقبال، ص4

[17] کلیاتِ اقبال، ایضاً

[18] کلیاتِ اقبال، (ضربِ کلیم)، ص575

[19] کلیاتِ اقبال، (ضربِ کلیم)، ص577

[20] حکایاتِ رومی، مولانا جلال الدین رومی، بک کارنر شوروم، بک سٹریٹ، جہلم، ص64

[21] کلیاتِ اقبال، (پیام مشرق)، ص

[22] حکایاتِ رومی، مولانا جلال الدین رومی، ایضاً، ص44

[23] کلیاتِ اقبال، (ضربِ کلیم)، ص633

[24] ایضاً، ص630

[25] حکایاتِ رومی، مولانا جلال الدین رومی، ایضاً، ص44 -45

[26] ایضاً، ص45

[27] ایضاً، ص45

[28] ایضاً، ص62

[29] دیوانِ شمس، مولوی، غزلیات، ص534

[30] حکایاتِ رومی، مولانا جلال الدین رومی، ایضاً، ص22